POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 January 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 16-01-2025 • Price: 5/- • 22-28 January 2025 • Issue: 4 • Vol:84

۲۲ تا ۲۸ جنوری ۲۰۲۵ء • شمارہ:۴ • جلد: ۸۴

صحتِ زبان (۲۴)

رؤف پاریکھ

☆ لِف لیلیٰ نہیں اَلف لیلہ

الف لیلہ عربی زبان میں لکھی گئی ایک مشہور داستان ہے۔ اردو میں اس کے تلفظ اور املا میں عام طور پر دو غلطیاں کی جاتی ہیں۔ لیکن پہلے کچھ الف لیلہ کے بارے میں عرض کرتے ہیں جس سے اس کی وجہِ تسمیہ بھی ظاہر ہوگی اور درست املا بھی۔

الف لیلہ ایک ایسی طویل داستان ہے جس میں مافوق الفطرت واقعات، تخیلی قصے، جنات اور جادوگر ہیں۔ بعض مشہور ناقابلِ یقین قصے، مثلاً علی بابا چالیس چور کا مشہور قصہ یا الٰہ دین کے طلسمی چراغ کی کہانی، اسی کا حصہ ہیں۔ اور اسی لیے جب کوئی عجیب اور ناقابلِ یقین بات کرے تو اردو میں کہتے ہیں کہ یہ تو الف لیلہ کا کوئی قصہ معلوم ہوتا ہے۔

الف لیلہ کا پورا نام 'الف لیلہ و لیلہ' ہے۔ اور الف لیلہ و لیلہ کا لفظی مطلب ہوا: ایک ہزار راتیں اور ایک رات، یعنی ایک ہزار ایک راتیں۔ اسی لیے جب اس شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہوا تو اس کا نام رکھا گیا: One Thousand and One Nights۔ اس کا انگریزی میں ایک معروف نام The Arabian Nights بھی ہے۔

اس دل چسپ اور طویل داستان میں قصہ کچھ یوں ہے کہ شہریار نامی بادشاہ کو جب اپنی ملکہ کی بے وفائی کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے قتل کر دیتا ہے اور سوچتا ہے کہ دنیا میں کوئی عورت باوفا نہیں ہوتی۔ لٰہذا فیصلہ کرتا ہے کہ روزانہ ایک نئی نوجوان لڑکی سے شادی کرے گا اور صبح ہوتے ہی اسے قتل کر دے گا تاکہ وہ اس سے بے وفائی نہ کر سکے۔ آخر وزیر روزانہ نئی دلھن پیش کرنے سے تنگ آ جاتا ہے تو اس کی بیٹی شہرزاد خود کو پیش کرتی ہے اور پہلی رات کو ایسا دل چسپ اور تحیر خیز قصہ چھیڑتی ہے کہ بادشاہ سنتا رہ جاتا ہے۔ پوری رات گزر جاتی ہے اور کہانی مکمل نہیں ہو پاتی۔ بادشاہ تجسس کے مارے اس کے قتل کا ارادہ اگلے دن تک موقوف کر دیتا ہے۔ اگلی رات شہرزاد وہ قصہ تمام کر کے ایک نئی حیرت زا کہانی شروع کرتی ہے اور صبح تک کہانی سنانے کے بعد انجام کو اسی طرح ادھورا چھوڑ دیتی ہے۔ اس طرح ایک ہزار ایک راتیں گزر جاتی ہیں۔ چناں چہ یہ قصہ الف لیلہ (یعنی ایک ہزار راتیں) کے نام سے مشہور ہوا۔

اردو میں الف لیلہ کے املا اور تلفظ میں بالعموم دو غلطیاں کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو اِلف (یعنی لام کے نیچے زیر کے ساتھ) پڑھنا غلط ہے۔ یہ الف بے تے والا الف نہیں ہے بلکہ یہ عربی لفظ اَلف (الف پر زبر لیکن فے ساکن) ہے جس کے معنی ہیں ایک ہزار اور اسی لیے اس داستان کا یہ نام پڑا۔ دوسرے یہ کہ الف لیلہ میں لیلیٰ لکھنا غلط ہے کیونکہ لیلیٰ تو ایک خاتون تھیں جن پر مجنوں صاحب عاشق تھے۔ یہاں لیلیٰ نہیں، لیلہ ہے۔ عربی میں لیل یا لیلہ کہتے ہیں رات کو۔ لیل واحد ہے اور جب لیل کا لفظ جمع کے معنی میں آتا ہے تو اس کا واحد لیلۃ ہے[1]۔ لیلۃ القدر کی ترکیب میں یہی لیلہ / لیلۃ ہے، لیلۃ القدر یعنی قدر کی رات۔ لیل کی جمع لَیائِل بھی ہے اور لَیالی بھی۔ غالب کا شعر ہے:

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بَردِ لَیالی نے مجھے

بَرد یعنی ٹھنڈک۔ بردِ لیالی یعنی راتوں کی ٹھنڈک۔

خلاصہ یہ کہ الف لیلہ کا مطلب ہوا ایک ہزار راتیں۔ لیکن یہاں 'الف' میں لام ساکن ہے۔ اور لیلیٰ نہیں لیلہ لکھنا چاہیے۔ صحیح املا ہے: الف لیلہ۔ نیز یہ کہ لیل اور لیلہ میں یائے لین ہے یعنی 'ی' سے پہلے والے حرف پر زبر ہے جسے ماقبل مفتوح بھی کہتے ہیں۔

☆ اَمپائر یا ایمپائر؟

عرصے قبل اِنہی کالموں میں ذکر ہوا تھا کہ ہمارے ہاں بعض لوگ اردو میں انگریزی الفاظ استعمال کرنے کے حد درجہ شائق ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انگریزی الفاظ کے درست مفہوم اور ہجے تک سے آگاہ نہیں ہوتے اور پھر بھی غیر ضروری طور پر اردو میں انگریزی الفاظ ٹھونستے رہتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہم نے فی (fee) اور چیرمین (chairman) کی غلط جمع اردو میں لکھے جانے کا ذکر کیا تھا۔ انگریزی کے لفظ 'فی' کی جمع فیس (fees) کو بھائی لوگ واحد سمجھ کر اردو میں اس کی جمع 'فیسز' بول اور لکھ رہے ہیں۔ یعنی جمع کی بھی مزید جمع۔ چیرمین کی جمع تو کئی بار اردو اخبارات میں 'چیرمینز' لکھی ہوئی دیکھی اور سر پیٹ لیا (اپنا، حالاں کہ کسی اور کا پیٹنا چاہیے تھا)۔ بعض اردو الفاظ کے غلط استعمال پر بھی کچھ عرض کیا تھا اور مثلاً لکھا کہ 'ہراسگی' کوئی لفظ نہیں ہے۔ درست لفظ 'ہراسانی' ہے۔ لیکن نقار خانے میں طُوطی کی آواز کون سنتا ہے (وہ بھی ہم جیسی مریل طوطی کی)۔ یہ غلط الفاظ اسی طرح چھپ رہے ہیں بلکہ اغلاط میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مثلاً انگریزی کے لفظ 'اَمپائر' کو لیجیے۔ اپنے حقیقی مفہوم سے ہٹ کر یہ لفظ اب ہمارے ہاں ایک علامت کے طور پر سیاسی مفہوم (یعنی 'حقیقی طاقت کے حامل لوگ' کے مفہوم) میں استعمال ہونا شروع ہوا ہے کیوں کہ ہمارے ہاں حزبِ اختلاف کے بعض سیاست دان منتظر رہتے ہیں کہ 'امپائر' کی انگلی کب اٹھے گی اور حکومتِ وقت کو 'آؤٹ' قرار دے دے گی۔ لیکن اردو اخبارات میں اسے 'اَمپائر' کے بجائے 'ایمپائر' لکھا جا رہا ہے۔ کھیلوں کی خبروں میں بعض نامہ نگار بھی اسے 'ایمپائر' لکھتے ہیں۔ حالاں کہ امپائر اور ایمپائر کے املا اور مفہوم میں فرق ہے۔

ایمپائر (empire) کا لفظ انگریزی میں ریاست، سلطنت، قلمرو کے مفہوم میں یا ایسی ریاستوں یا ملکوں کے مجموعے کے لیے آتا ہے جس کا مطلق العنان حاکم یا بادشاہ ایک ہو[2]۔ جب کہ کرکٹ (یا بعض دیگر کھیلوں میں) کھیل کے معاملات میں قوانین کے مطابق فیصلہ دینے والے فرد کو اَمپائر (umpire) کہتے ہیں[3]۔ ایمپائر یعنی سلطنت کے انگریزی ہجے میں آغاز میں 'ای' (e) ہے لیکن کھیل کے قاضی یا کھیل میں فیصلہ کرنے والے شخص کے انگریزی ہجے کے آغاز میں 'یو' (u) ہے اور اسی لیے ان کا تلفظ بالترتیب ایمپائر (اےم پائر) اور اَمپائر (اَم پائر) ہے۔

شاید کچھ قاری سوچ رہے ہوں کہ یہ بات تو اسکول کے لڑکوں کو بھی معلوم ہے، کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اردو کے خبارات ذرا غور سے پڑھا کریں۔ زیادہ حدِّ ادب۔

☆ کیا 'اندازاً' اور 'نمونتاً' لکھنا غلط ہے؟

فارسی میں ایک لفظ ہے اندازہ۔ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مفہوم ہے تخمینہ، قیاس، اٹکل۔ جب کوئی بات ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو تو

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ ''اندازہ ہے کہ...'' اور مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ تعداد یا مقدار وغیرہ جو بتائی جارہی ہے شاید وہ ٹھیک اتنی ہی نہ ہو، کم و بیش اتنی ہوگی۔ اسی لفظ اندازہ سے اردو والوں نے ایک لفظ بنالیا اندازاً۔ مراد ہے تخمیناً، اندازے سے۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اندازاً لکھنا اور بولنا غلط ہے۔

یہاں یہ وضاحت کردی جائے کہ عربی میں لفظ کے آخری حرف پر (یا اس میں الف کا اضافہ کرکے اس پر) دوزبر یا دوزیر یا دوپیش لگا کر نون کی آواز پیدا کی جاتی ہے اور اسے تنوین کہتے ہیں۔ رشید حسن خاں کے مطابق اردو میں عام طور پر دوزبر والی تنوین استعمال ہوتی ہے اور دوزیر والی تنوین یا دوپیش والی تنوین اردو کے چند ہی الفاظ یا مرکبات میں ملتی ہے، مثلاً ''مشارٌ الیہ'' میں یا 'نسلاً بعد نسلٍ' میں[4]۔ تنوین میں ایک طریقہ یہ ہے کہ لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ کرکے اس پر دوزبر لگائے جاتے ہیں، جیسے: مجبور سے مجبوراً، اتفاق سے اتفاقاً، یقین سے یقیناً، فور سے فوراً، عموم سے عموماً، وغیرہ۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لفظ کے آخر میں 'ہ' یا 'ۃ' ہو تو 'ۃ' ہی پر تنوین لگادی جاتی ہے لیکن اردو میں بعض ایسے عربی الفاظ کے آخر میں بھی الف کا اضافہ کرکے تنوین لگائی جاتی ہے جن کے آخر میں 'ۃ' یا 'ہ' ہے، مثلاً نتیجہ، عادت اور نسبت میں۔ اِن الفاظ میں تنوین اصولاً اس طرح لگے گی کہ آخری حرف کو 'ۃ' بنا کر اس پر دوزبر لگیں گے، یعنی تنوین لگنے کے بعد ان کا املا یہ ہوگا: نتیجۃً، عادۃً اور نسبۃً۔ لیکن اردو میں ان الفاظ کو نتیجتاً، عادتاً اور نسبتاً بھی لکھا جاتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان الفاظ اور بعض دیگر الفاظ کا اب یہی املا اردو میں رائج ہوگیا ہے، یعنی الف کے ساتھ اور رشید حسن خاں صاحب بھی اس کے حامی تھے۔ خیر اس بحث کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور فی الحال 'اندازاً' کی بات کرتے ہیں۔

بعض ثقہ حضرات کے نزدیک اندازاً لکھنا اور بولنا غلط ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تنوین عربی الفاظ پر آتی ہے۔ جب کہ اندازہ فارسی کا لفظ ہے لہٰذا اس پر تنوین لگا کر ''اندازے سے'' کے مفہوم میں اندازاً لکھنا غلط ہے اور بقول ان کے یہ عربی ندان (یعنی عربی نہ جاننے والے) بولتے ہیں۔ مثلاً 'قاموس الاغلاط' میں لکھا ہے:

> ''اندازاً غلط ہے۔ عربی ندان اصحاب نے اندازہ سے اندازاً بنالیا ہے۔ اس کی جگہ تخمیناً کا لفظ موجود ہے جو صحیح ہے۔ اندازاً کی طرح نمونۃً بھی کہتے اور لکھتے ہیں: تنوین عربی الفاظ پر آتی ہے نہ کہ فارسی الفاظ پر''[5]۔

گویا یک نہ شد دو شد۔ اندازاً تو اپنی جگہ، یہاں تو ایک اور لفظ نمونۃً پر بھی اعتراض ہوگیا کیونکہ نمونہ بھی اندازہ کی طرح فارسی کا لفظ ہے۔ لیکن بعض اہلِ علم نے، جو اردو زبان کے مزاج سے واقف ہیں اور اردو میں عام رواج پا جانے والے الفاظ یا املا کو درست سمجھتے ہیں، اندازاً اور نمونۃً یا نموناً کو درست قرار دیا ہے، مثلاً فرمان فتح پوری اور احسان دانش۔

فرمان صاحب نے لکھا ہے:

> ''بعض کا خیال ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں گول ۃ آتی ہے انھیں [کذا] الف کا اضافہ کیے بغیر تنوین لگانی چاہیے۔ چناں چہ بعض حضرات فطرۃً، قدرۃً، حقیقۃً وغیرہ ہی لکھتے ہیں۔ عربی املا کے سلسلے میں یہ درست سہی لیکن اردو میں یوں مناسب نہیں کہ عربی کی گول ۃ اردو میں بہت ہی کم لکھی جاتی ہے۔ فطرۃ، قدرۃ، حقیقۃ کا املا [اردو میں] ہمیشہ فطرت، قدرت اور حقیقت کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان الفاظ کے آخر میں بھی الف بڑھا کر تنوین کے ساتھ فطرتاً، قدرتاً اور حقیقتاً لکھنا چاہیے۔ مولوی عبدالحق صاحب کی رائے بھی یہی کہ اردو املا میں عربی کے ہر لفظ پر الف بڑھا کر تنوین لگانا چاہیے''[6]۔

یہ عاجز طالبِ علم یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہے کہ یہاں ''ہر عربی لفظ'' لکھنا احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ عربی کے اسمِ تفضیل پر تنوین نہیں آتی اور اسی لیے جب 'اغلب' (جو غالب کی تفضیل ہے) پر الف بڑھا کر تنوین کے ساتھ اسے 'اغلباً' لکھا جاتا ہے تو وہ بھی بعض ثقہ حضرات کے نزدیک عربی قواعد کی رو سے درست نہیں ہوتا۔ لفظ 'غالب' ہی پر الف اور تنوین لگا کر غالباً لکھنا کافی ہے۔

فرمان صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''غیر عربی الفاظ پر تنوین نہیں آتی لیکن اردو میں ایک دو لفظ تنوین کے ساتھ مستعمل ہوگئے ہیں، جیسے اندازاً، نموناً۔ انھیں ''غلط العام فصیح'' کے تحت درست کہا جائے گا۔ لیکن اس قیاس پر دوسرے ہندی یا فارسی لفظوں پر تنوین کا استعمال غلط ہوگا''[7]۔

احسان دانش نے بھی لغات الاصلاح میں لکھا ہے:

> ''اندازاً: چوں کہ انداز فارسی ہے اور تنوین عربی کا خاصہ ہے اس لیے اس کی جگہ تخمیناً یا اندازہ کہنا چاہیے مگر اردو میں غلط العام ہوگیا ہے اور فصحا بولتے ہیں''[8]۔

لیجیے صاحب جھگڑا طے ہوگیا۔ ''اندازاً'' اصولاً درست نہ ہونے کے باوجود چوں کہ رائج ہے اور غلط العام فصیح کے ذیل میں ہے اور فصحا بھی بولتے ہیں لہٰذا اندازاً اردو کی حد تک تو درست ہے۔ ہاں جب عربی بولیں گے تو عربی کے قواعد مدنظر رکھنے ہوں گے۔ اسی پر نمونۃً کو بھی قیاس کر لیجیے۔

حواشی:

1. مصباح اللغات (مرتبہ عبدالحفیظ بلیاوی)، (لاہور: المصباح، سنہ ندارد)۔
2. Concise Oxford English Dictionary، بارھواں ایڈیشن، ۲۰۱۱ء۔
3. ایضاً۔
4. اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زباں، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۰ (اشاعتِ دوم)۔
5. مرتبہ سید مختار احمد اور مولانا ذہین (حیدرآباد دکن: مکتبۂ ابراہیمیہ، سنہ ندارد)، ص ۱۵۔
6. اردو املا اور رسم الخط (کراچی: حلقۂ نیاز و نگار، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۲، ۴۳ (طبعِ سوم)۔
7. ایضاً، ص ۴۳۔
8. لغات الاصلاح (لاہور: مکتبۂ دانش، ۱۹۵۲ء)، ص ۹۶۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میاںِ من وتو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گُلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

اقبالؔ کی شاعری پر داغؔ کے اثرات اور تصورِ خودی

عمران عظیم

داغؔ دہلوی اردو شاعری کے افق پر وہ تابناک ودرخشاں ستارہ ہے جس کی شاعری کی چمک دمک نے اردو دنیا کو روشن کیا ہے۔ ان کے کلام میں اثر آفرینی، نزاکت، لطافت، سحر انگیزی، سلاست، شستگی اور شوخی و رعنائی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ دبستانِ داغؔ سے فیض اٹھانے والے تلامذہ کی فہرست طویل ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دبستانِ داغ اردو ادب پر غالب ہے تو یہ بات قطعی درست ہے۔ داغؔ دہلوی کے قافلۂ قلم میں علامہ اقبالؔ بھی ہیں۔ داغؔ دہلوی بھی ان کے استاد ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

علاّمہ اقبالؔ کے حالات وکوائف پر روشنی ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ متعدد شعرا سے متاثر ہوئے ہیں لیکن ان کی ابتدائی شاعری پر اپنے استادِ مکرم داغؔ دہلوی کے بنیادی طور پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اقبال اپنا ابتدائی کلام برائے اصلاح بذریعۂ ڈاک اپنے استاد داغؔ دہلوی کے پاس ارسال کرتے تھے۔ وہ نہایت ذمے داری کے ساتھ ان کے کلام کی اصلاح کر کے انھیں واپس بھیج دیتے تھے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ داغؔ کے شاگرد ہونے کا فخریہ اعتراف کرتے ہیں:

نسیم وتشنہ ہی اقبالؔ کچھ نازاں نہیں اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغِ سخنداں کا

علاّمہ اقبالؔ اپنے استاد داغؔ دہلوی سے عقیدت مندانہ اور والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، تبھی تو وہ اپنے شعری سرمایے کی کاوشوں اور تکنیکی صلاحیتوں کا سہرا داغؔ کے سر باندھتے ہیں۔ شعری اظہار کی سطح پر ردو قبول کی جو جنگ تخلیق کار کے ذہن میں برپا ہوتی ہے اسے وہی محسوس ہونے لگتا ہے جو اس عمل سے گزر رہا ہو۔ وہ بذاتِ خود بھی داغؔ دہلوی کے شاگرد ہونے پر مطمئن ومسرور ہیں۔ اس بات کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

جناب داغؔ کی اقبالؔ یہ کرامت ہے
ترے جیسے کو کر ڈالا سخنداں بھی سخنور بھی

یا پھر:

گرم ہوتا ہے کبھی ہم پہ جو وہ بت اقبالؔ
حضرتِ داغ کے اشعار سُنا دیتے ہیں

علاّمہ اقبالؔ کا طبعی رجحان نظموں کی طرف تھا۔ اُن کی نظموں میں حب الوطنی کا رنگ، ملک کی تہذیبی وثقافتی عظمت کا خیال، اخوّت اور اتحاّد کا پیغام سب کچھ موجود ہے۔ ان کی شاعری پر مشرقی ادب کے مطالعے کے اثرات کارفرما ہیں۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی شاعری کو ماحول سازگار ملا۔

کسی شاعر کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے کلام کا مطالعہ تعصب کی عینک سے جدا کر کے کرنا چاہیے۔ جس شاعر کا ہم مطالعہ کرتے ہیں ہمیں اس شاعر کے فکر وآہنگ کو تلاش کرنا چاہیے تاکہ ہمارے ذہن پر اس کا اثر غالب ہو سکے۔ وہ دور حالیؔ اور اکبرؔ کی شہرت اور مقبولیت کے عروج کا تھا۔ ان اساتذہ کی شہرت کی چکاچوند دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی، لیکن علامہ اقبالؔ نے استاد کی حیثیت سے داغؔ دہلوی کا انتخاب کیا اور انھیں سنگِ میل اور روشن مینار تصوّر کیا۔ اقبال نے اپنے ابتدائی دور کے مجموعے 'بانگِ درا' کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ابتدائی دور کی شاعری پر داغ کے اثرات روشن ہیں، دیکھیے:

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

محولۂ بالا اشعار کی سادگی اور لطافت دیکھیے تو پتا چلتا ہے کہ یہ رنگ داغؔ دہلوی کا ہے۔ ان کے انداز کی گہری چھاپ ہے۔ اقبالؔ کے اشعار میں داغؔ کی بازیافت بہت واضح اور روشن ہے۔ داغؔ کے طرزِ کلام کو اقبالؔ فن کی معراج تصور کرتے تھے۔ ابتدائی دور کی غزلوں میں اقبالؔ کی جھلک کم ہے اور داغؔ کا اندازِ بیاں بھرپور۔ ان کے ان اشعار کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اقبالؔ نے داغؔ کے اسلوب میں اشعار کہنے کی شعوری کاوش کی ہے۔

علامہ اقبالؔ کی شاعری پر داغ کے اشعار کی انتہا یہ ہے کہ اقبالؔ نے تشبیہیں اور استعارے بھی اپنے اشعار میں داغؔ کی طرح ہی استعمال کیے ہیں:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ و دل وا کرے کوئی

لاؤں وہ تنکے کہاں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

کشادہ دشت کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

علاّمہ اقبالؔ خیالات کی دنیا میں ہلچل مچاتے ہیں۔ پہلے دور کی غزلوں میں رندی والی شاعری تھی۔ ان کا کوئی مخصوص رنگ نہیں تھا۔ خالص داغؔ کے رنگ کی جھلک نمایاں تھی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان اشعار میں اقبالؔ اپنے استاد داغؔ دہلوی کے رنگ کے زیادہ نزدیک نظر آتے ہیں۔

ان کی گلی میں اندھیرا نہ ہو جائے
اے ضعف دیکھ مجھ کو گرانا سنبھال کے

چلتے ہوئے کسی کا جو آنچل سرک گیا
بولی حیا جناب دوپٹہ سنبھال کے

علاّمہ اقبالؔ الفاظ کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ وہ زبان کے حسن، الفاظ کی پاکیزگی اور شائستگی کا احترام تو کرتے ہیں لیکن فکر وخیال کے ساتھ اپنے محبوب سے چٹکی بھی بھرتے ہیں۔ ان کے کلام میں فصاحت بھی پائی جاتی ہے۔ ان کے مضامین میں شوخی وندرت ہے۔ ان کے اشعار سادہ ضرور ہیں لیکن ان میں حسن وعشق کی جادوگری اور زبان کی کاریگری بھی کارفرما ہے۔ ان کے شائستہ الفاظ اور دل کو چھو لینے والا انداز اپنے قاری اور سامع کو اپنی گرفت میں لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ انھوں نے اُس دور کی غزلوں میں اپنا آدرش داغؔ کو ہی مانا۔ وہی رندی، وہی چاشنی، وہی شوخی وسرمستی اقبالؔ کے اشعار میں در آئی ہے جو اُن کے استاد داغؔ کا سرمایہ رہی ہے۔

اقبال کے اشعار کی شوخی وسرمستی دیکھیے:

ڈرتے ہیں جس کے واسطے وہ بات اب کہاں
تُو اک کہے جو ہم کو تجھے سو سنائیں ہم

کوچۂ یار میں ساتھ اپنے سلایا اُن کو
بخت خفتہ کو مرے پاؤں دعا دیتے ہیں

میں تو دیوانہ ہوا خیر کوئی بات نہیں
آپ کیوں پھر گئے لیکن مرے سر کی صورت

مذکورہ بالا اشعار میں عشق ومحبت کی متنوع جہتیں نمایاں ہیں۔ جذبۂ حسن وعشق کے تناظر میں ان اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو شاعر کی فکری وشعوری سوچ ابھر کر سامنے آتی ہے۔ یہ وہ بلیغ اشعار ہیں جن میں خوابوں کی تعبیریں بھی روشن ہیں اور زندگی کی شگفتگی بھی۔ ان اشعار میں داغ کی عشقیہ شاعری کا پرتو نظر آتا ہے۔

علامہ اقبالؔ کو بعد میں احساس ہونے لگا کہ ان کے اشعار میں داغؔ دہلوی کی تقلید نظر آتی ہے۔ انھیں محسوس ہونے لگا تھا کہ ان کی شاعری اجتماعی زندگی کے عرفان سے کسی حد تک ناآشنا ہے۔ انھوں نے روایتی غزل سے علاحدگی اختیار کی تو درج ذیل شعر وجود میں آیا:

گیا ہے تقلید کا زمانہ مجاز رختِ سفر اٹھانا
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

اقبالؔ کی شاعری داغؔ کے اثرات سے آزاد ہو چکی تھی۔ وہ اپنی الگ شناخت قائم کرنے کی جستجو میں تھے۔ اس دور کے اشعار زبان زدِ خاص وعام ہونے لگے تھے۔ اپنے ان اشعار میں وہ تغزل کی کمی کا احساس بھی کر رہے تھے۔ ان کا یہ دور اقبال کی غزل کے اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

بعد کی تمام شاعری داغ دہلوی کے اسلوب سے جدا ہے:

اے ضبط ہو شیار مرا حرفِ مدّعا
قابو میں آنہ جائے زبانِ سوال سے

موتی سمجھ کے شانِ کریمی سے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اقبالؔ کی غزلوں کی ساخت اور ان میں داغؔ کا طرزِ اسلوب اور لفظوں کے استعمال دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ داغؔ دہلوی اقبالؔ کے اشعار میں نیا شاعرانہ آہنگ لیے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار ان کے استاد کی ترجمانی نئے اور جدید انداز میں کرتے ہیں، اقبالؔ تہذیب کے اس ورثے کو فلاح کا ذریعہ مانتے ہیں۔ ان کے شعور و احساس نے ان کی شاعری کو ایک نیا آہنگ دیا جس سے ان کی شاعری میں زندگی کی دھڑکین سنائی دینے لگیں۔ تمام امور کے باوصف علاّمہ اقبالؔ خلاّقانہ ذہن رکھتے ہیں۔ سفر کے تخلیقی عمل کے مطابق ان کا نظریہ نہ صرف واضح ہے بلکہ اپنی قوم کے لیے مشعلِ راہ بھی ہے۔ وہ اردو ادب کی تاریخ میں اپنی معتبر ومستند شناخت بنا چکے ہیں، اس لیے اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہر دور میں ان کا قاری ان کی حمایت کرتا نظر آئے گا۔

خودی کا تصور اقبالؔ کی شاعری میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ خودی انسان کی مرکزی قوت اور عرفانِ ذات کا نام ہے۔ اقبالؔ کے کلام میں خودی سے مراد معرفتِ نفس سے ہے۔ ان کے کلام کو سمجھنے کے لیے قرآنِ کریم پر گہری نظر ہونی ضروری ہے۔

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

اردو دُنیا

اجمیر میں آٹھ اردو میڈیم اسکول ہندی میڈیم میں تبدیل

جے پور (23 جنوری)۔ حال ہی میں اجمیر میں آٹھ اردو میڈیم اسکولوں کو ہندی میڈیم میں تبدیل کیے جانے سے مقامی مسلم فرقے میں شدید اضطراب پھیل گیا ہے۔ لوگوں نے اس فیصلے کو ثقافتی اور مذہبی امتیاز قرار دیا ہے کیوں کہ ان میں سے بہت سے اسکول دہائیوں سے مسلم آبادی کی خدمت کررہے ہیں جو اُن کے لسانی اور ثقافتی ورثے کی علامت ہیں۔ دسمبر 2024 میں بی جے پی کے زیرِ قیادت راجستھان حکومت نے ریاستی پولیس کو پولیس کی اصطلاح میں اردو اور فارسی الفاظ کو ہندی سے بدلنے کی ہدایت دی۔ اس ہدایت کے بعد 17 جنوری 2025 کو تب ایک اور مشکل درپیش آئی جب بیکانیر میں سیکنڈری ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کے ڈائرکٹر نے اجمیر کے کئی اردو میڈیم اسکولوں کو ہندی میڈیم اداروں میں تبدیل کرنے کا حکم جاری کیا۔ متاثرہ اسکولوں میں گورنمنٹ پرائمری اردو اسکول بارا باؤ اور گونمنٹ گرلز ہائی پرائمری اردو اسکول شامل ہیں جو 1941 سے چل رہے تھے۔ اس اقدام نے مسلم فرقے کو ناراض کردیا ہے۔ اس کے علاوہ راجستھان میں اردو میڈیم اسکول پہلے ہی اردو میں نصابی کتب اور قابل اردو اساتذہ کی کمی سے دوچار تھے۔ بہت سے لوگ اس فیصلے کو ان کے تعلیمی حقوق اور ثقافتی شناخت کو منظّم طور پر ختم کرنے کی بات کررہے ہیں۔ مقامی سرپرست اور مکینوں نے اس فیصلے کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے اسے اپنے ثقافتی اور لسانی ورثے پر حملہ قرار دیا ہے۔ احتجاج میں والدین نے کہا ”اردو ہماری شناخت کا ایک لازمی حصہ ہے، اس اقدام سے ہماری زبان اور تاریخ کے مٹ جانے کا خطرہ ہے“۔ متاثرہ اسکول بنیادی طور پر مسلم علاقوں میں واقع ہیں اور مسلم فرقہ ہندی میڈیم میں تبدیلی کو اردو کو تعلیم میں پس ماندہ کرنے کی دانستہ کوشش کے طور پر دیکھتا ہے۔ والدین کا کہنا ہے کہ اس تبدیلی سے مسلمان طلبہ پر منفی اثر پڑے گا، جن میں سے اکثر اردو میڈیم سے پڑھنے کے خواہش مند ہیں۔ مسلم رہنماؤں اور کارکنوں نے ضلع کلکٹر اور راجستھان کے وزیرِ اعلا بھجن لال شرما کو ایک میمورنڈم پیش کیا ہے جس میں اس فیصلے کو فوری طور پر واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ مقامی رہنما محمد رضی نے کہا کہ یہ صرف زبان کی بات نہیں ہے، یہ ہمارے بچوں کی مادری زبان میں تعلیم کے حق کے بارے میں ہے۔ ہم اس فیصلے کی پوری طاقت سے مخالفت کریں گے۔ مسز یاسمین جہاں نے ریاستی وزیرِ تعلیم مدن دلاور پر اس اقدام کی قیادت کرنے کا الزام لگایا۔ انھوں نے دعوا کیا کہ یہ راجستھان کے ثقافتی تنوع کو کمزور کرنے کے وسیع تر ایجنڈے کا حصہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے بچوں سے ان کی شناخت چھینی جارہی ہے۔ جن اردو میڈیم اسکولوں کی بات کی جارہی ہے وہ اجمیر کی تاریخ اور ثقافت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر گورنمنٹ پرائمری اردو اسکول بارا باؤ 1940 کی دہائی کے اوائل سے مسلم بچوں کو تعلیم دے رہا ہے۔ یہ ادارے صرف اسکول نہیں ہیں بلکہ یہ لسانی اور ثقافتی ورثے سے تعلق کی عکاسی کرتے ہیں۔

(انقلاب۔ دہلی)

تلنگانہ کی یونی ورسٹیوں میں
پروفیسروں کی خالی اسامیوں پر تقرری کا جائزہ

حیدرآباد (13 جنوری)۔ تلنگانہ کی یونی ورسٹیوں میں پروفیسروں کی خالی اسامیوں پر تقرری کے لیے اقدام کا آغاز ہوچکا ہے۔ اس مسئلے پر تشکیل دی گئی وائس چانسلروں کی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ امبیڈکر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر گھنٹا چکراپانی نے اجلاس کی صدارت کی، جس میں تقرری کے سلسلے میں مختلف امور کا جائزہ لیا گیا۔ سابق حکومت نے پروفیسروں کی تقرری کے لیے کامن ریکروٹمنٹ بورڈ کے بل کو اسمبلی میں منظور کیا تھا جو فی الوقت صدر جمہوریہ کے پاس زیرِ التوا ہے جس کی وجہ سے تقررات کے عمل میں تاخیر ہورہی ہے۔ پروفیسروں کی اسامیاں خالی ہونے کی وجہ سے طلبہ معیاری تعلیم سے محروم ہورہے ہیں جس کے تناظر میں کانگریس حکومت نے ان خالی اسامیوں پر تقرری کا جائزہ لینے کے لیے وائس چانسلروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ اس کمیٹی کے اجلاس میں تمام یونی ورسٹیوں کی خالی اسامیوں کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے یا ہر یونی ورسٹی کے لیے علاحدہ علاحدہ تقرر کیا جائے، اس بات کا جائزہ لیا گیا۔ اگر مشترکہ طور پر تمام یونی ورسٹیوں میں خالی اسامیوں کی ایک بورڈ سے بھرتی کی جائے تو اس کے لیے صدر جمہوریہ کی منظوری ضروری ہے یا صدر جمہوریہ کو روانہ کردہ تجویز سے دستبرداری اختیار کیا جائے، اس پر بھی غور کیا گیا۔ حکومت کو ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے سابق بل سے دستبرداری اختیار کرتے ہوئے اسمبلی میں نیا بل متعارف کرنے کی رپورٹ پیش کرنے کا بھی جائزہ لیا گیا، لیکن ہنوز ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مزید یہ کہ کون مقامی اور کون غیر مقامی ہیں، اس کے بعد آئندہ تعلیمی سال سے داخلوں کے لیے رہنمایانہ خطوط جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور یہ بھی طے پایا کہ رہنمایانہ خطوط میں اس بات کو بھی شامل کیا جائے کہ آندھرا کے طلبہ کو تلنگانہ کی یونی ورسٹیوں میں داخلہ نہ دیا جائے کیوں کہ علاحدہ ریاست کو تشکیل پائے دس سال پورے ہوچکے ہیں، اس لیے جو مراعات آندھرا کو دی گئی تھیں، اب وہ ختم ہوچکی ہیں۔

اُردو زبان کسی ایک طبقے تک محدود نہیں
ایم اے اُردو میں طالبہ ساوتری کٹنلی کو فرسٹ رینک

بیدر (5 جنوری)۔ ساوتری کٹنلی بنت بسپا اردو میڈیم کی طالبہ ہیں۔ باگل کوٹ ضلع کے تعلقہ ہنڈگونڈ کے رکسگی کی رہنے والی ہیں۔ رائچور یونی ورسٹی رائچور سے محترمہ ساوتری کٹنلی نے اردو سے ایم اے کرتے ہوئے فرسٹ پوزیشن حاصل کی ہے۔ انھیں گولڈ میڈل ملنا طے ہے۔ جب سالانہ کانووکیشن ہوگا تب یونی ورسٹی ساوتری کٹنلی کو گولڈ میڈل دے گی۔ طالبہ ساوتری نے بتایا کہ ان کی ابتدا سے ہی تعلیم اردو میڈیم سے ہوئی ہے۔ اردو میڈیم میں پڑھنے کی خاص وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ اردو میڈیم اسکول قریب تھا، لہٰذا اسی اسکول میں ماں نے داخلہ دلوایا۔ بعد ازاں الکل انجمن اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ ساوتری نے بتایا کہ وہی نہیں بلکہ ان کی ایک بہن بھی اردو اسکول کی صدر معلّمہ ہیں۔ 2007 میں ان کا اسکول ٹیچر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ وہ رائچور کے مانوی تعلقہ کے اردو ہائر پرائمری اسکول (اول تا ہفتم) کی پرموٹیڈ صدر معلّمہ ہیں۔۔ ساوتری کٹنلی کی زندگی کا سبق یہی ہے کہ وطنی بہنیں بھی اردو میں تعلیم حاصل کررہی ہیں نیز اردو کسی ایک طبقے تک محدود نہیں، آئندہ بھی محدود نہیں رہنا چاہیے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو بیگوسرائے نے
ضلع اقلیتی افسر کو میمورنڈم سونپا

بیگو سرائے (28 دسمبر)۔ انجمن ترقی اردو بیگوسرائے کے عہدیداروں نے ضلع کے محکمۂ اقلیتی فلاح کے افسر سے ملاقات کی اور انھیں اردو کے فروغ اور نفاذ کے عمل میں تیزی لانے کے لیے میمورنڈم پیش کیا۔

انجمن ترقی اردو کے ضلع جنرل سکریٹری اور مونگیر یونی ورسٹی کے سینٹ رکن محمد روح اللہ کی قیادت میں قاری ارمان جامعی اور ذوالفقار علی پر مشتمل وفد نے ضلع اقلیتی فلاح محکمے کے جواں سال افسر جناب رضوان احمد سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اور افسر کو ضلع کے سرکاری محکموں میں اردو میں کام کاج کے علاوہ ضلع میں اقلیتی مسلمانوں کے لیے شروع کیے گئے منصوبوں اور چل رہے منصوبوں کی جانکاری لی۔ اس درمیان روح اللہ نے ضلع میں اردو زبان اور اردو تعلیم کے فروغ کے لیے سرکاری سطح پر مسلمانوں کے بیچ کام کرنے کو لے کر آپس میں صلاح ومشورہ کیا اور مسلمانوں اور اردو زبان کے مسائل کے فوری حل کے لیے میمورنڈم پیش کیا۔ ضلع اقلیتی فلاح افسر رضوان احمد نے مطالبات پر غور کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

رضا لائبریری میں مخطوطات اور نوادرات بند ہونے سے مایوسی
رضا لائبریری بورڈ کی چیئرمین گورنر اترپردیش کے ذریعے بنائے گئے ڈائرکٹر اردو، عربی اور فارسی سے نابلد

رامپور (5 جنوری)۔ دنیا کی چند عظیم لائبریوں میں شمار کی جانے والی رضا لائبریری کی اہمیت کو ختم کرنے کا مشن اب نظر آنے لگا ہے۔ رضا لائبریری کے وہ تمام کمرے سیل کردیے گئے ہیں جن میں مخطوطات اور نوادرات محفوظ ہیں۔ دراصل حکومتِ ہند کے محکمۂ ثقافت اور رضا لائبریری بورڈ کی چیئرمین گورنر اترپردیش کے ذریعے ایک ایسے شخص کو ڈائرکٹر بنایا گیا ہے جو اردو، عربی اور فارسی سے واقف نہیں ہیں۔ لائبریرین ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی 31 دسمبر 2024 کو رٹائر ہوچکے ہیں، لیکن ان کی رخصت سے قبل ہی تمام مخطوطات، نوادرات کے کمروں کو ایک کمیٹی بنا کر سیل کیا جاچکا ہے۔ لائبریرین کی سبک دوشی کی خبر کا پریس نوٹ رضا لائبریری نے ڈائرکٹر ڈاکٹر پشکر مشرا کے حوالے سے جاری کیا تھا، جسے ’انقلاب‘ کے علاوہ دوسرے تمام اخبارات نے شائع کیا تھا۔ ’انقلاب‘ نے وہ خبر بھی شائع کی تھی جو خفیہ تحریر اور لائبریری کو سیل کرنے کے لیے ضلع مجسٹریٹ کو بھیجی گئی تھی۔ یہی وجہ رہی کہ رضا لائبریری کی ویب سائٹ پر تمام اخبارات میں شائع خبر کو نشر کیا گیا، لیکن انقلاب میں شائع خبر کو نہیں ڈالا گیا تا کہ کسی اسکالر کو یہ معلوم ہی نہ ہوسکے کہ رضا لائبریری کے مخطوطات ونوادرات سیل کردیے گئے ہیں۔

3 جنوری کو امریکن اسکالر صالح عبدالبصیر جو ہارڈورڈ یونی ورسٹی کے طالبِ علم ہیں، حضرت محدث دہلوی کی ایک کتاب جو رضا لائبریری کے علاوہ کسی دوسری لائبریری میں نہیں ہے، دیکھنے آئے تھے، لیکن مخطوطات اور نوادرات سیل ہونے کی وجہ سے مایوس ہوکر واپس لوٹ گئے۔ صالح عبدالبصیر نے دارالعلوم دیوبند کے جنوبی افریقہ میں واقع مدرسہ عربیہ سے حفظِ قرآن کے بعد حافظ وفاضل کی سند حاصل کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا تو میں ہزاروں ڈالر خرچ کر کے کیوں رضا لائبریری آتا۔ اب امریکہ سے دو خاتون اسکالرز رضا لائبریری میں دستاویزات کا مشاہدہ کرنے آرہی ہیں، جن کا قیام ایک سے دو ہفتوں تک رہے گا۔ دونوں اسکالرز ربیکا سلیچہ ہارورڈ یونی ورسٹی اور مس سمیرا نواز ایم سی گل یونی ورسٹی امریکہ سے 6 جنوری کو رضا لائبریری آنے والی ہیں، جن کے خط آگئے ہیں۔ دونوں آٹھ سے بارہ دنوں تک لائبریری میں قیام کریں گی۔ آج حکومتِ عراق کے سفیر بھی رضا لائبریری میں مخطوطات ونوادرات دیکھنے گئے تھے، لیکن مایوس ہوکر لوٹ گئے۔ انھوں نے صرف ڈسپلے ہی دیکھیں۔ (انقلاب۔ دہلی)

☆☆☆

سرکاری دفاتر کے خط و کتابت میں اردو زبان کا استعمال نقصان دہ

مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونی ورسٹی کے ڈیولپمنٹ افسر کی تنخواہ پر روک

رجسٹرار کرنل کامیش کمار نے کہا: انعام ظفر نے جان بوجھ کر اپنا جواب اردو میں دیا اور اس میں غیر ضروری باتیں بھی تحریر کیں

پٹنہ (13 جنوری)۔ مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونی ورسٹی انتظامیہ نے یونی ورسٹی کے ڈیولپمنٹ افسر انعام ظفر کی تنخواہ پر فی الحال روک لگا دی ہے۔ دفتر میں تاخیر سے پہنچنے پر یونی ورسٹی انتظامیہ نے ان سے جواب طلب کیا تھا جس کا جواب انھوں نے اردو میں دیا تھا۔ یونی ورسٹی کے رجسٹرار کرنل کامیش کمار کے دستخط سے 10 جنوری کو جاری مکتوب میں کہا گیا ہے کہ انعام ظفر سے دفتری زبان ہندی یا انگریزی میں جواب دیے جانے کی ہدایت کے باوجود انھوں نے اپنا جواب اردو میں دیا تھا جس کے بعد ان کی تنخواہ پر روک لگا دی گئی اور ان کے خلاف تادیبی کارروائی کا عمل شروع کیا گیا۔

واضح رہے کہ یونی ورسٹی کے رجسٹرار کرنل کامیش کمار کی جانب سے 3 جنوری کو انعام ظفر کو وجہ بتاؤ نوٹس جاری کیا گیا تھا، جس میں بایومیٹرک حاضری کے مطابق ان سے دفتری وقت سے عادتاً تاخیر سے دفتر پہنچنے کی وضاحت 48 گھنٹے کے اندر طلب کی گئی تھی۔ رجسٹرار کا یہ نوٹس انگریزی میں جاری کیا گیا تھا۔ انعام ظفر نے اس کا جواب 4 جنوری کو اردو میں دیا تھا۔ انعام ظفر کی اس وضاحت کے بعد رجسٹرار نے 7 جنوری کو انعام ظفر کو مکتوب بھیج کر اردو میں جواب دینے پر سخت اعتراض ظاہر کیا۔ اس مکتوب میں کہا گیا ہے کہ دفتری زبان ہندی یا انگریزی کی بجائے انھوں نے اردو زبان کا استعمال کیا ہے جو قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ انعام ظفر کا تقرری امتحان بھی ہندی میں لیا گیا تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے جان بوجھ کر دفتری زبان (ہندی یا انگریزی) کا استعمال نہیں کیا ہے۔ انعام ظفر سے دو دنوں کے اندر اس کی وضاحت طلب کی گئی۔ انعام ظفر نے 8 جنوری کو اس کا جواب پھر اردو میں دیا، جس میں کہا گیا ہے کہ اردو بہار کی دوسری سرکاری زبان ہے اور مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونی ورسٹی میں ڈیولپمنٹ افسر کے عہدے پر تقرری کے لیے منعقدہ تحریری امتحان میں بھی اپنی جوابی کاپی اردو میں تحریر کی تھی۔ انھوں نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا تھا کہ مولانا مظہرالحق عربی و فارسی یونی ورسٹی میں اردو زبان کے استعمال پر بندش لگانا گویا فصلِ گل میں نکہتِ گل پر پابندی لگانے کے مترادف ہے۔ انعام ظفر کے اس جواب کے بعد رجسٹرار نے 10 جنوری کو مکتوب جاری کر کے ان کی تنخواہ پر روک لگا دی ہے اور تادیبی کارروائی شروع کر دی ہے۔ انعام ظفر نے کہا کہ رجسٹرار کی جانب سے ان کے خلاف یہ آمرانہ کارروائی کی گئی ہے۔ عادتاً دفتر تاخیر سے پہنچنے کے الزام کی تردید کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ اس میمورنڈم کا ردِّ عمل ہے جو یونی ورسٹی کے اساتذہ و دیگر اہلکاروں کی جانب سے یونی ورسٹی کی عمارت کے ایک بڑے حصے کو کسی پرائیویٹ ایجنسی کو تجارتی امتحانی مرکز بنانے کے لیے کرایے پر دیے جانے کے عمل کو روکنے کے لیے دیا گیا تھا، اس پر میرا بھی دستخط تھا۔ انعام ظفر نے اسے ایک معاندانہ اور جانبدارانہ کارروائی بتایا ہے۔

اس سلسلے میں رجسٹرار کرنل کامیش کمار نے کہا کہ انعام ظفر سے ہندی یا انگریزی میں وضاحت طلب کی گئی تھی لیکن جان بوجھ کر انھوں نے دفتری زبان کی بجائے اردو میں جواب دیا ہے۔ یونی ورسٹی انتظامیہ کی جانب سے انعام ظفر سمیت یونی ورسٹی کے آٹھ اہلکاروں سے بھی تاخیر سے دفتر پہنچنے کے بارے میں وضاحت طلب کی گئی تھی۔ انعام ظفر کے علاوہ سبھی نے اپنے جواب براہِ راست ہندی یا انگریزی میں دیے جب کہ انعام ظفر نے جان بوجھ کر اپنا جواب اردو میں دیا اور اس میں غیر ضروری باتیں تحریر کیں، جس کی ضرورت نہیں تھی۔ نمائندہ 'انقلاب' کے اردو میں تحریری جواب کے حوالے سے پوچھے گئے سوال پر رجسٹرار نے کہا کہ اس یونی ورسٹی کا مقصد اردو کا فروغ کرنا نہیں بلکہ عربی و فارسی کا فروغ ہے۔ انھیں اپنا جواب دو یا چار لائن میں دے کر ختم کرنا تھا، لیکن جان بوجھ کر اس میں دیگر مواد کو شامل کر دیا جس کی ضرورت نہیں تھی۔

یونی ورسٹی یا سرکاری دفتر میں اردو میں خط و کتابت کے سلسلے میں اردو ڈائرکٹوریٹ کے سابق ڈائرکٹر اور بی پی ایس سی کے سابق چیئرمین امتیاز احمد کریمی کہتے ہیں کہ بہار میں کسی بھی سرکاری ملازم کو ہندی یا انگریزی کی بجائے اردو میں جواب داخل کرنے کا قانونی حق حاصل ہے۔ یونی ورسٹی انتظامیہ کا یہ رویہ سراسر اردو مخالف ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

دھلی اسمبلی انتخابات کی تشھیری مھم اور مواد سے اُردو غائب

برسرِ اقتدار پارٹی سمیت حزبِ اختلاف کی پارٹیوں پر اُردو کو نظر انداز کرنے کا الزام

نئی دہلی (16 جنوری)۔ راجدھانی دہلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے، اس کے باوجود ریاست میں اردو کے ساتھ سرکاری و غیر سرکاری سطح پر امتیازی سلوک کے معاملات اکثر سامنے آتے رہے ہیں۔ چاہے بات اسکولوں و کالجوں میں اردو اساتذہ کی کمی کی ہو یا پھر سرکاری و غیر سرکاری جگہوں پر اردو کے استعمال کی بات ہو، ہر جگہ اردو کے ساتھ سوتیلا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اردو کو نظر انداز کرنے کا تازہ معاملہ دہلی اسمبلی انتخابات میں سامنے آیا ہے جس کی انتخابی تشہیر اور انتخابی مواد سے اردو بالکل غائب ہے۔ برسرِ اقتدار عام آدمی پارٹی سمیت حزبِ مخالف کی پارٹیوں بشمول کانگریس، بی جے پی، یہاں تک کہ اے آئی ایم آئی ایم کی طرف سے بھی انتخاب کے دوران اردو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ انتخابی تشہیر کے بینر، پوسٹر اور دیگر مواد میں اردو نہیں ہے جس سے اردو آبادی مایوس ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ دہلی اسمبلی انتخابات کی تاریخ کے اعلان کے بعد بڑے پیمانے پر انتخابی تشہیر شروع ہوگئی ہے۔ تاہم ہونے والی اس انتخابی گہما گہمی میں اردو کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آ رہا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف سے اب تک انتخابی تشہیر کے لیے جو بھی پوسٹر و بینر لگائے گئے ہیں اُن میں سے کوئی اردو میں نہیں ہے۔ اردو مواد سے پوسٹر و بینر خالی ہیں یہاں تک کہ مسلم اسمبلی حلقوں کے انتخابی جلسوں میں بھی پوسٹروں و بینروں سے اردو غائب ہے۔ وہیں دوسری جانب سیاسی پارٹیوں اور امیدواروں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر بھی ہندی یا رومن کا استعمال کیا جا رہا ہے، نیز پوسٹر بھی ہندی میں اپلوڈ کیے جا رہے ہیں۔ اردو کے ساتھ ہونے والی اس ناانصافی میں مسلم اکثریتی حلقے کے مسلم امیدوار بھی شامل ہیں۔ نمائندہ 'انقلاب' نے مٹیا محل سے امیدوار آلِ محمد اقبال اور عاصم احمد خاں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کھنگالے تو یہاں سبھی پوسٹ ہندی میں تھیں، اسی طرح بلّیماران سے عمران حسین، ہارون یوسف، اوکھلا سے امانت اللہ خاں، اریبہ خاں، شفاء الرحمٰن خاں، سیلم پور سے عبدالرحمٰن، چودھری زبیر احمد اور مصطفیٰ آباد سے عادل احمد خاں، علی مہدی، طاہر حسین سمیت دیگر کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ ہندی پوسٹوں سے بھرے پڑے ہیں، یہاں اردو کا کوئی نام و نشان تک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ پہلے انتخابات میں نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم امیدوار بھی اپنے مسلم علاقوں میں اردو میں پوسٹر اور بینر لگواتے تھے، لیکن اب مسلم امیدواروں نے بھی اردو کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اردو کے ساتھ اس ناانصافی پر اردو کے خیر خواہ اور اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ایک وقت تھا جب انتخابات میں اردو موضوعِ بحث ہوتی تھی، انتخابی تشہیر میں اردو داں اور غیر اردو داں امیدواروں کی تقریر میں اعلان کیا جاتا تھا کہ ہم اردو کو فروغ دیں گے، موجودہ دور میں اردو کے تئیں بے حسی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب اردو داں امیدوار بھی اردو کے تئیں بے حس ہو گئے ہیں، ان کا یہ عمل یقیناً قابلِ مذمت ہے۔ انھوں نے کہا کہ سیاسی رہنما عوام کی نمائندگی کرتے ہیں، اگر وہ ہی اردو کو نظر انداز کریں گے تو یہ واقعی تکلیف دہ بات ہے جب کہ اردو دوسری سرکاری زبان ہے، اس حساب سے اس کے ساتھ یہ سلوک اچھا نہیں ہے، سیاسی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی تشہیر میں اردو کو بھی لازمی شامل کریں۔ (انقلاب۔ دہلی)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

ڈاکٹر تابش مہدی

نئی دہلی۔ اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، شاعر، ناقد اور درجنوں نثری و شعری تصنیفات کے خالق ڈاکٹر تابش مہدی کا 22 جنوری 2025 کو دہلی کے ایک اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ وہ 74 برس کے تھے۔ ڈاکٹر تابش مہدی کو بعد نمازِ عصر ہزاروں عقیدت مندوں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ شاہین باغ قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔ نمازِ جنازہ اور تدفین میں ہندستان بھر کے معزز اداروں کے نمائندگان، قائدین اور صحافیوں نے شرکت کی۔

ڈاکٹر تابش مہدی 3 جولائی 1951 کو پرتاپ گڑھ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے 1964 میں ڈسٹرکٹ بورڈ پرتاپ گڑھ سے جونیر پرائمری اسکول کا امتحان پاس کیا۔ 1970 میں انھوں نے عربی و فارسی بورڈ الہ آباد سے مولوی (عربی)، 1978 میں منشی (فارسی) اور 1980 میں کامل (فارسی) کا امتحان پاس کیا، نیز 1971 میں جامعہ دینیات دیوبند سے عالمِ دینیات (اردو)، 1977 اور 1985 میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر اور ادیب کامل (اردو) کا امتحان پاس کیا۔ آخر میں 1989 میں آگرہ یونی ورسٹی سے ایم اے (اردو) اور 1997 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے پی ایچ. ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کی مطبوعات میں اردو تنقید کا سفر، نقدِ غزل، تنقید و ترسیل، شفیق جون پوری: ایک مطالعہ، عرفانِ شہباز، ابوالمجاہد زاہد: فکر اور فن، رباب رشیدی: ایک سخنور، طاہر تلہری: شخص اور شاعر، میرا مطالعہ اور مہک چھوڑ گئے وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

محمد رامش

نئی دہلی۔ سینئر فوٹو جرنلسٹ محمد رامش کا 20 جنوری 2025 کو رات قریب ساڑھے آٹھ بجے اچانک انتقال ہوگیا۔ وہ دریا گنج میں ایک صاحب سے ملنے گئے تھے، وہیں حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ وہ تقریباً 60 برس کے تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ مرحوم نہایت ملنسار، خوش مزاج اور اپنے کام کے تئیں بہت متحرک بھی تھے۔ وہ قریب بارہ سالوں سے روزنامہ 'سیاسی تقدیر' سے وابستہ تھے۔ وہ ایک مشہور اداکار بھی تھے اور اکثر پروگرام میں اپنی اداکاری کے جوہر بھی دکھاتے تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **نیکی کا نور** (بچوں کے مضامین اور کہانیاں)
مصنف : منظور پروانہ
ضخامت : 102 صفحات
قیمت : 150 روپے
ناشر : منظور پروانہ، 155/129/33، احاطہ سلیمان قدر، مولوی گنج لکھنؤ-226018
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی

E-mail: sakhtar0075@gmail.com

بچوں کا ذہن خالی سلیٹ کی طرح ہوتا ہے۔کوئی بھی نقش اس پہ مرتسم ہوجائے تو اس کے اثرات تا عمر قائم رہتے ہیں جنھیں بچپن میں سیرتِ نبوی کے واقعات، صحابہؓ کرام کے حالاتِ زندگی اور آس پاس رونما ہونے والے واقعات سنائے گئے ہوں ان کی از خود اخلاقی تربیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ آسان زبان میں بیان کیے گئے یہ قصے دادی نانی کی زبانی تھے جو انھوں نے کتابوں سے یا گذشتہ نسلوں سے حاصل کیا تھا۔ عہدِ حاضر میں ادبِ اطفال اس ضرورت کی تکمیل کر رہا ہے۔ ادیب اطفال کی صف میں منظور پروانہ بھی ہیں جنھوں نے گاہے گاہے کئی معلوماتی تحریریں سپردِ قلم کی ہیں اور پذیرائی بھی حاصل کی ہے۔

'نیکی کا نور' منظور پروانہ کے اُن مضامین اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو خالصتاً بچوں کے لیے لکھے گئے تھے۔ اس میں بعض شخصیات کی قابلِ ذکر باتوں، اہم معلومات اور چند قصوں کو شامل کیا گیا ہے جو نصیحت افروز ہیں۔ باکسر محمد علی کلے، خدمتِ خلق کے روشن مینار عبدالستار ایدھی، فٹ بال کھلاڑی پیلے اور سیاہ فام خاتون پائلٹ بیسی کول مین کی جدوجہد، لگن، انتھک کوشش اور عزمِ جواں نے انھیں فائز المرامی سے ہم کنار کیا۔ پانی، کافی اور چائے ایسے مشروب ہیں جو ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کی اہمیت وافادیت سے آگاہی حاصل کرنا لازمی ہے۔ آلو، آم، امرود، سورج مکھی ایسی سبزی، پھل، پھول ہیں جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ مور، بیا، بھالو، وہیل مچھلی ایسے پرندے اور مخلوق ہیں جن کے بارے میں جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ٹوتھ برش، برف باری، دل، ڈرون، پلینوٹوریم، سی ٹی اسکین اور ایم سی بی بھرپور معلومات فراہم کراتے ہیں۔

معلوماتی تحریروں کے شانہ بہ شانہ تقریباً درجن بھر کہانیاں اخلاقیات سے مملو ہیں جو زندگی کا جزوِ لازم ہے۔ 'کامیابی کا راز' پہلی ہارڈ ڈیجیٹل گھڑی کا ڈیزائن بنانے والے کی کاوشوں کا صلہ ہے جس کا انعام اسے سیکو کمپنی نے دیا۔ 'جہدِ مسلسل' یہ نصیحت دیتی ہے کہ جو مل رہا ہے اسی پر قناعت کرنی چاہیے۔ 'سکونِ قلب' بے زبان جانوروں سے رحم کا درس دیتا ہے تو 'فکر کی تبدیلی' ادنیٰ سی کوشش کے عظیم ثمرات کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ سرورق کہانی 'نیکی کا نور' تاجر کے تین بیٹوں کے کارِ خیر کا تذکرہ ہے جس میں چھوٹے بیٹے نے بازی ماری۔ 'مٹھاس رشتے کی' بزرگوں کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے تو 'اکیسویں صدی' دَورِ جدید میں کچھوے کی دانش مندی کا اعادہ۔ 'عقل کی دولت' اس کے صحیح استعمال پر زور ہے تو 'بہادر بچہ' معافی کی ترغیب۔ 'حرف شناس ماں' ناخواندہ ماں کو تعلیم یافتہ بنانے کی مہم ہے تو 'دوستی' جانوروں سے ہمدردی۔

بہ حیثیتِ مجموعی یہ تنوع رنگ تحریریں بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنے کے ساتھ درسِ اخلاق بھی دیتی ہیں۔ منظور پروانہ کی یہ سعی نئی نسل کی تربیت کے حوالے سے قابلِ قدر ہے جو بجا طور پر سراہے جانے کے قابل ہے۔ ★★

اردو میں بچوں کے ادب پر گراں قدر انعامی مقابلے برائے 2025

'بچوں کا ادبی ٹرسٹ' نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی سرپرستی اور تعاون کے ساتھ بچوں کے ادب پر، دو سال میں ایک بار، گراں قدر انعامات دینے کا جو سلسلہ 2016 سے شروع کیا ہے اس کا چوتھا مقابلہ 2025 میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ یہ انعامات صرف غیر مطبوعہ نثری تحریروں یعنی مسودوں پر دیے جائیں گے۔ اِن مقابلوں کا مقصد اردو میں بچوں کے ادب پر طبع زاد، جدید اور اچھے مسودے تیار کرانا ہے۔ ہر دو سالہ مقابلے میں تین انعامات دیے جائیں گے جو پچاس ہزار (50,000)، پچیس ہزار (25,000) اور دس ہزار (10,000) روپے کی رقم کے ہوں گے۔

2025 کے مقابلے میں مسودے جمع کرانے کی آخری تاریخ 31 مئی 2025 مقرر کی گئی ہے۔ فارم داخلہ اور 2025 مقابلے کے بارے میں دیگر تفصیلات انجمن ترقی اردو (ہند) کے کارکن جناب محمد ساجد، ایگزیکٹو اسسٹنٹ ٹو جنرل سکریٹری (سیل فون نمبر 08178972480) سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ نیز ابتدائی معلومات کے لیے 'بچوں کا ادبی ٹرسٹ' کے سابق سکریٹری سید غلام حیدر سے بھی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے جن کا سیل فون نمبر : 08595092948 ہے۔

(سیّد غلام حیدر، سابق سکریٹری، بچوں کا ادبی ٹرسٹ) (08595092948)

بقیہ: اقبالؔ کی شاعری پر داغؔ کے اثرات اور تصوّرِ خودی

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اقبالؔ سے پہلے اُردو شاعری میں خودی کا لفظ غرور وخودستائی وغیرہ کے معانی میں مستعمل تھا اور مذموم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اقبال نے اُسے اپنا کر نئے معنی عطا کیے اور اب یہ لفظ محترم ہوگیا ہے۔

مغرب میں بھی خودی کے تصور کو پیش کیا جا چکا تھا اور مشرق میں بھی اس کی گونج موجود تھی۔ لہٰذا اقبال کو تصورِ خودی کا بانی نہ کہہ کر مدوّن کہنا چاہیے، لیکن سطحی مماثلت کے ساتھ اقبالؔ کا تصورِ خودی ان سے خاصا مختلف بھی ہے۔

مغربی مفکرین کے آئیڈل خدا کے وجود کے سامنے گستاخانہ آتے ہیں اور خدا کے حضور میں نیاز مندانہ سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ یہیں سے اقبالؔ کا مثالی انسان مغربی مفکرین کے مثالی انسان سے مختلف ہوجاتا ہے۔ وہ خودی کے فلسفے کو مذہبِ اسلام کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ خودی کے فلسفے سے متعلق اقبال کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ ان سے پیشتر جو معلومات فراہم کی جا چکی تھیں اُن کا مطالعہ انھوں نے بغور فرمایا۔ یہ بات الگ ہے کہ خودی کا فلسفہ پہلے سے موجود تھا لیکن اقبالؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے طور پر خودی کے فلسفے کی تحقیق وتدوین کی، لیکن اقبالؔ کے یہاں خودی کا تصور اپنی مستقل بالذات حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ مردِ مومن یا انسانِ کامل کے بنیادی وصف کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ خودی دراصل ایک صفت ہے جس سے متصف ہوئے بغیر مردِ مومن یا انسانِ کامل کی شخصیت مکمل نہیں ہوسکتی۔

اقبالؔ سے پہلے خودی منفی (Negative) معنوں میں مستعمل تھی۔ اقبالؔ نے اسے مثبت جہت عطا کی۔ اس طرح خودی جو ایک مذموم لفظ تھا محترم ہوگیا۔

اقبالؔ اس راز سے واقف ہوگئے تھے کہ جن اقوام میں احساس خودی نہیں وہ قومیں مردہ ہیں۔ بہت سی قومیں اس لیے نیست و نابود ہوگئیں کہ ان میں احساسِ خودی ختم ہوگیا تھا۔ اقبالؔ پروفیسر نکلسن کے نام خط میں خودی کا ترجمہ شخصیت کرتے ہیں۔ خط پڑھ کر خودی کا مطلب اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے اگر اپنی مضمر صلاحیتوں کا پتا انسان پالیتا ہے تو یہی راز خودی کہلاتا ہے۔ اسی رازِ خودی کو اثباتِ خودی کہا جاتا ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک جہاں کے عدم وجود کی بحث فضول ہے۔ ان کے نظریے کے مطابق خودی میں دنیا کا وجود اور عدم وجود شامل ہے۔ خودی سمندر کی مانند ہے۔ خودی کے فلسفے میں بہت وسعت اور گہرائی ہے:

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

خودی وہ جوہر ہے جو ظاہری ذرائع اور مادی وسائل سے پیدا نہیں ہوتا۔ خودی ازلی طور پر انسان میں ہوتی ہے۔ لیکن کہیں زندہ، کہیں خوابیدہ اور کہیں مردہ۔ اقبالؔ نے خودی کے فلسفے کو بہت سلیقے سے پیش کیا۔ اقبالؔ کے نزدیک خودشناسی خداشناسی ہے۔ اقبالؔ نے خودی اور عشق، مردِ مومن کی زندگی کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔ 'اسرارِ خودی' میں اقبالؔ نے بتایا ہے کہ خودی عشق سے استوار اور مستحکم ہوتی ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک خودی کے اندر لامتناہی امکانات پوشیدہ ہیں۔ دراصل عشق خودی کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے اور خودی آخری۔

کچھ عجب نہیں کہ اقبالؔ نے مغربی مفکرین کے خیالات سے بھی فلسفۂ خودی کی تدوین میں مدد لی ہو، لیکن خودی کا تصور ان سے مستعار ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ خودی کا تصور اقبالؔ کی شاعری کا اہم جزو ہے۔ اقبالؔ خودی کے پیغام کے ذریعے اپنی قوم میں وہ جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جس سے قوم کا ہر سپوت خود پر ناز کر سکے۔

اقبالؔ خودی کے فلسفے کے راز کو بخوبی سمجھ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اقبالؔ نے اپنی قوم میں یہ صلاحیت پیدا کرنا چاہی کہ وہ اپنی عظمت کا اعتراف کر سکے۔ خودی ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی فرد، جماعت اور قوم کی کامرانی کا راز پنہاں ہے۔ خودی ہی ایک ایسا جذبہ ہے جو منزلِ مقصود پر پہنچاتا ہے۔ ذیل کے سطور میں اشعار بطورِ حوالہ پیش کیے جاتے ہیں تا کہ خودی سے متعلق اقبالؔ کے خیالات کا صحیح ادراک ہوسکے۔ یہ جو ہر خودی کا ہے کہ:

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی
ہر ذرہ شہید کبریائی
بے ذوق نمود زندگی موت
تعمیرِ خودی میں ہے خدائی

انسان کی کامرانی یہی ہے کہ وہ پورے وثوق کے ساتھ اپنے وجود کو دنیا کی تمام تر قوتوں سے برتر سمجھے۔ اپنے وجود اور اپنی شخصیت کو ہر مقام اور ہر موقع پر بلند کرے۔ خودی ایک ایسا جذبہ ہے جس کو سمجھنے کے بعد انسان منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے:

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ

اقبالؔ کے مطابق اگر روزے، نماز میں اور زہد و تقوی خودی کی نگہبانی نہیں کر پاتے تو ان کی کوئی معنویت ہے اور نہ اہمیت:

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خودی کے بغیر انسان کی ذات کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ خودی لائقِ قدر ہے۔ انسان کی کامیابی کا راز خودی میں پوشیدہ ہے۔ جس شخص نے خودی کو پہچان لیا، اس نے کائنات کی تمام تر چیزوں پر قابو پالیا۔ وجودِ انسانی میں خودی کا اہم مرتبہ ہے۔

'اسرارِ خودی' مثنوی میں اقبالؔ نے ایک حکایت منظوم کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک پیاسے پرندے نے ریزۂ الماس کو پانی کی بوند سمجھ کر پینے کی کوشش کی۔ پرندے کی چونچ مجروح ہوگئی اور ریزۂ الماس کا کچھ نہ بگڑا۔ ریزۂ الماس نے پیاسے پرندے کا مذاق اڑایا۔ بالآخر کسی پتی پر اوس کی بوند دکھائی دی جس سے پیاسے پرندے نے اپنی پیاس بجھائی۔ اقبالؔ نے اس حکایت کے ذریعے خودی کی حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ریزۂ الماس اور شبنم کے استعاروں سے خودی کے مختلف درجے (Degrees) اور مختلف حیثیتیں سمجھانے کی سعی کی ہے۔ ریزۂ الماس کی چمک اور مضبوطی ظاہری یا معنوی یا سطحی نہیں ہے۔ وہ تو اندر سے مستحکم اور مضبوط ہے۔ انسان بھی جب اپنی ممکنہ مضمر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے تو ایسا ہی توانا اور مستحکم ہو جاتا ہے۔

'اسرارِ خودی' میں اقبالؔ نے ایک نوجوان کا واقعہ منظوم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ سیّد علی ہجویری کی خدمت میں کوئی نوجوان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت، میں دشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا ہوں۔ میری مدد فرمائیے۔ سیّد علی ہجویری نے فرمایا۔ خود کو حقیر و کمتر مت سمجھو اور دشمن کا خوف اپنے دل سے نکال دو۔ نبرد آزمائی کی جو قوتیں تمھارے دل میں ہیں انھیں بیدار کرو۔ اس واقعے سے یہ بات ظاہر ہے کہ جب انسان خود کو ناتواں محسوس کرتا ہے تو اس کی تمام صلاحیتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ اقبال ایک جگہ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے اپنے اندر سیرتِ فولاد پیدا کر لی، اسے کسی فولاد سے کوئی ڈر نہیں ہو سکتا:

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی سیرتِ فولاد

'اسرارِ خودی' میں شیر اور بکری کی حکایت بھی منظوم ہے جس کا خلاصہ ہے کہ ایک زمانہ شناس بکری نے شیر پر فتح حاصل کرنے کے لیے اسے تہذیب اور اخلاق کے دائرے میں ناتوانی اور عاجزی کا سبق پڑھا دیا۔ جب گوشت خور شیر گھاس پر گذر اوقات کرنے پر آمادہ ہوگیا تو اس میں شیروں کی سی کوئی بات ہی نہ رہ گئی۔ وہ شیر کی کھال میں بکری ہوگیا۔ اب اس میں نہ وہ پہلی سی ہمت رہی اور نہ طاقت۔

اقبالؔ مردِ کامل کو اس کی صلاحیتوں سے باخبر کرنا چاہتے ہیں۔ اقبالؔ اپنی زبوں حال قوم کے ہر فرد میں احساسِ خودی کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قوم کے ہر فرد کو مردِ کامل دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ مردِ کامل یا مردِ مومن کی شناخت یہی ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز یا طاقت کا تابع نہیں بلکہ تمام زمانہ اس کا تابع ہے۔

انسان کو اپنی عظمت کا اعتراف کرنا چاہیے۔ خدا تعالی نے بھی انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے۔ اللہ رب العزت کے حکم پر ابلیس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس گستاخی کو اللہ تعالی نے معاف نہیں کیا اور اس کو اس گستاخی کی سزا دی۔ اس لیے اقبالؔ نے مردِ کامل کو مردِ قلندر بھی کہا ہے۔ اقبالؔ کے نظامِ فکر میں حرکت و عمل کا بہت دخل ہے۔ مردِ کامل وہ ہے جس کی خودی مستحکم ہے۔ ساری کائنات مردِ کامل کے زیرِ فرماں ہوتی ہے۔ انسان مجبور ولاچار نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو استحکامِ خودی سے ساری کائنات کو زیر کر سکتا ہے۔ مردِ کامل کے قبضۂ قدرت میں نہ صرف زمین و آسمان ہوتے ہیں بلکہ وہ چاہے تو قضا و قدر کو بھی اپنی مرضی کے تابع کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک مردِ کامل سرورِ کائناتؐ کی ذاتِ گرامی تھی۔ جس طرح آپ کی شخصیت مثالی تھی اسی طرح آپ کی خودی بھی قدیم المثال تھی اور اقبالؔ کے اس شعر سے مطابقت رکھتی تھی:

تری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات

خودی کوئی اوڑھا ہوا احساس یا طاری کیا ہوا جذبہ نہیں۔ یہ ایمان و عمل کی مستقل قوت ہے جو ارتقائی مراحل سے گزر کر اپنی معراج کو پہنچتی ہے۔ خودی کے ارتقائی سفر کو آسان کرنے کے لیے اقبالؔ نے خودی کی تربیت کے بھی اصول بتائے ہیں:

تربیتِ خودی: تربیتِ خودی کے تین مراحل ہیں:
(۱) اطاعت (۲) ضبطِ نفس اور (۳) نیابتِ الٰہی

اطاعت تکمیلِ خودی کی پہلی کڑی ہے۔ خدا کے احکام کی تعمیل اطاعت ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو مار دیتا ہے اس کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے۔

ضبطِ نفس تکمیلِ خودی کی دوسری کڑی ہے۔ نفسِ امارہ کسی بھی شخص کو اطاعت سے منع کرتا ہے۔ دراصل شہوت، غضب، حرص، تکبر اور خود غرضی جیسی چیزیں بدی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ جب انسان ان سب چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جن سے خدا تعالی نے روکا ہے۔ وہ خواہشوں کے حصار سے باہر ہو جاتا ہے اور ضبطِ نفس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نیابتِ الٰہی: تکمیلِ خودی کی آخری کڑی ہے۔ جب انسان اللہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے۔ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے عین مطابق کر لیتا ہے تو وہ نیابتِ الٰہی کی سند حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن شریف کی اس آیت میں بھی اس امر کی وضاحت موجود ہے:

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاَنسَ اِلاّ لِیَعبُدُون
(بیشک میں نے جن اور انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)

مندرجہ بالا باطنی صفات سے متصف خودی روح اور ایمان کے اُس شرف کی حامل ہو جاتی ہے جس کے بغیر ہٹلر اور مسولینی کی خودی گمراہ اور نامکمل تھی۔ یہی وہ شرف ہے جو قرونِ اولی کے مسلمانوں میں موجود تھا۔

اقبالؔ کے زمانۂ شاعری میں مسلمان تمام دنیاوی وسائل اور طاقتوں سے اسلام کے دورِ آغاز کے مقابلے میں زیادہ بہرہ مند تھے لیکن ان کی خودی سو رہی تھی۔ لہٰذا وقت کا تقاضا یہی تھا کہ ہندستانی عوام کو عظمتِ رفتہ کا آئینہ دکھا کر ان میں ثابت قدم اور سرخرو ہونے کی ترغیب و تحریک پیدا کریں۔ غرض اقبالؔ کا فلسفۂ خودی کوئی رومانی تصور نہیں بلکہ عصری معنویت سے پُر ایک عملی پیغام تھا جس نے بجا طور پر جمود و تعطل کو ختم کر کے قوم کی شیرازہ بندی کی تھی جسے ہم دیکھ اس لیے نہیں سکتے کہ شعر و ادب کے اثرات غیر محسوس ہوتے ہیں۔

عمران عظیم (ایڈوکیٹ)

B-322، گلی نمبر 5، منڈاولی فاضل پور، دہلی-110092

Mob. No. 9312340686

بقیہ: بیانِ شبلی

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

'شبلی مفکرِ سیاست کی حیثیت میں' کے عنوان سے اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے 'شعر العجم پر ایک نظر' کے عنوان سے اپنے اپنے مقالے پڑھے، جو بہت پسند کیے گئے۔ مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے مولانا سید طفیل احمد (علیگ) کے تشریف نہ لا سکنے کی وجہ سے ان کا لکھا ہوا مقالہ بعنوان 'شبلی ایک علیگ شاگرد کی نظر میں' پڑھا، لیکن قدرے عجلت میں یہ مقالہ اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے بے حد پسند کیا گیا۔ آخری نشست رات کو پروفیسر ڈبلیو سی سمتھ کی صدارت میں ہوئی اور اس میں مولانا محمد علی ایم اے کینٹب، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر تصدق حسین خالد نے علامہ شبلی کی یاد میں انگریزی مقالے پڑھے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے صبح کی نشست کے اختتام پذیر ہونے سے پہلے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ مجلس یادگار مشاہیرِ اسلام نے ایک نیک اور پاکیزہ کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، علامہ شبلی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر میرے فاضل دوستوں نے اپنے مقالے میں گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے، لیکن ان کی شخصیت بحیثیت ایک عالمِ دین کے بھی بہت بلند ہے جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی، علامہ شبلی نے یوروپی مستشرقین اور سر جادو ناتھ سرکار جیسے متعصب مورخین کے ان اعتراضات کا اپنی تصنیفات میں نہایت مدلل اور مسکت جواب دیا ہے جو انھوں نے اسلامی شخصیتوں اور اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر نہایت بھونڈے انداز میں کیے تھے، مجلس یادگار مشاہیرِ اسلام کی طرف سے سہ پہر کو دعوتِ عصرانہ دی گئی، جس میں سرکردہ علم دوست حضرات اور مجلس کے مبلغین نے شرکت کی۔"

(س،ف) (انقلاب، لاہور 15/فروری 1945)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

641، غلامی کا پورہ (عقب آواس وکاس کالونی) اعظم گڑھ-276001

E-mail: azmi408@gmail.com

Mob. No. 9838573645

میرا جنون اُردو

(خطبات و مضامین)

طاہر محمود

قیمت: 700 روپے

ریت سمادھی

(گیتانجلی شری)

ترجمہ: آفتاب احمد

قیمت: 900 روپے

بیانِ شبلی

محمد الیاس الاعظمی

علامہ شبلی نعمانی (1857-1914) کی شخصیت اور کارناموں سے متعلق منتشر معلومات یکجا کرنے کا جو سلسلہ بیانِ شبلی کے عنوان سے شروع ہوا تھا وہ اب بھی قائم ہے۔ زیرِ نظر نہایت مختصر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

شبلی کی دعا

''درج ذیل معلوماتی رپورٹ غالبًا مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے ہے۔ ہفت روزہ 'صدقِ جدید' لکھنؤ میں شائع ہوئی ہے۔ چوں کہ آج بھی اس دعائے شبلی سے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور اس کی افادیت بھی کم نہیں ہوئی ہے، اس لیے قدردانانِ شبلی بالخصوص فضلائے ندوہ کی دل چسپی کے لیے شائع کی جارہی ہے۔''

یہ دعا یکم محرم 1328ھ/فروری 1910 کو مانگی گئی، جب تعمیرِ عمارت دارالعلوم ندوہ کا کام شروع ہو رہا تھا اور مزدوروں کو ہٹا کر طلبہ خود اینٹیں چونا گارا لا رہے تھے اور انھیں طلبہ میں ایک اولڈ بوائے (فارغ ندوی) سیّد سلیمان بھی تھے اور جو استاد ان پڑھے لکھے مزدوروں کی رہنمائی کر رہے تھے ان میں مولانا شبلی بھی تھے:

''اے خدا یہ چند ناتواں کم حیثیت، کم مایہ بچے تیرے گھر میں مزدوری کرنے آئے ہیں، ان کی مزدوری قبول کر، مغربی خیالات کا سیلاب مسلمانوں کو اپنی رو میں بہائے لیے جاتا ہے، جس کے ساتھ ان کی مذہبی حالت، مذہبی علوم، مذہبی شعائر سب اس طوفان کی زد میں ہیں، اے خدا ان ناتواں بچوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس سیلاب کی ٹکر کو سنبھالیں گے، یہ بہت بڑا دعویٰ ہے جو کسی طرح ان کے چہرے پر نہیں کھلتا، تو ہی ہے جو ان کی آبرو رہ جائے۔''

دعا شبلیؒ و جنیدؒ کی نہیں نہ سہی، سفید ریش مورخِ اسلام و سیرت نگار نبی شبلی کی تو ہے، اے اللہ اس کی لاج رکھ لے۔ ('صدقِ جدید' لکھنؤ، مئی، ص:2)

1945 میں لاہور کا یومِ شبلی

1945 میں لاہور میں نہایت اہتمام سے یومِ شبلی کا انعقاد ہوا تھا۔ 10 فروری 1945 کے روزنامہ 'انقلاب' لاہور میں اس کا پروگرام شائع ہوا، پھر دو دن بعد اس پروگرام کی رپورٹ بھی شائع ہوئی، جسے ہمارے کرم فرما، نامور ادیب مولانا غلام رسول مہر کے صاحب زادے محترم امجد علی علوی صاحب نے لاہور سے بھیجا ہے۔ دونوں یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

مینارڈ ہال لا کالج لاہور میں یومِ شبلی

لاہور: 9 فروری بتاریخ 10 اور 11 فروری شنبہ اور یکشنبہ کو مینارڈ ہال لا کالج لاہور میں مجلس یادگار مشاہیرِ اسلام کے زیرِ اہتمام 'یومِ شبلی' کی تقریب پر مختلف اجلاسوں کے انعقاد کا پروگرام حسبِ ذیل ہے:

پہلا اجلاس 10 فروری 1945 ساڑھے سات بجے شام سے ساڑھے نو بجے رات تک، زیرِ صدارت آنریبل جسٹس سر عبدالرحمٰن وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔

تلاوت قرآن مجید۔

1۔ مولانا سعید احمد صاحب ایم اے ایڈیٹر 'برہان' دہلی۔ شبلی بحیثیت مفکرِ اسلام

2۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے، ڈی لٹ۔ شبلی کا نظریۂ تاریخ

3۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی، اعظم گڑھ۔ شبلی کی علمی سرگرمیاں (ندوہ)

4۔ مولانا محمد حنیف ندوی۔ سیرت النبی پر ایک نظر

5۔ آغا محمد طاہر (نبیرہ آزاد دہلوی) اک فسانہ ہیں یہ لوگ (شبلی)

6۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم کشمیر۔ تقریر

7۔ خواجہ دل محمد صاحب ایم اے۔ نظم

8۔ مولانا مجید لاہوری۔ نظم

9۔ احمد ندیم قاسمی۔ نظم

دوسرا اجلاس اتوار، گیارہ فروری 1945 گیارہ بجے صبح سے دو بجے دوپہر تک، زیرِ صدارت ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ایم اے، ایل ایل بی، بار ایٹ لا لاہور

تلاوت قرآن مجید۔

1۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم۔ شبلی مفکر سیاست کی حیثیت سے

2۔ مولانا سیّد طفیل احمد (علیگ) شبلی ایک علیگ شاگرد کی نظر میں۔

3۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی۔ شعرالعجم پر ایک نظر

4۔ مولانا عبدالسلام ندوی، (اعظم گڑھ) شبلی کی سوانح نگاری

5۔ مولانا حفظ الرحمٰن، دہلی۔ تقریر

6۔ مولانا علم الدین سالک۔ تقریر

7۔ مولانا نصراللہ خاں عزیز۔ نظم

8۔ آغا شورش کاشمیری۔ نظم

9۔ ملک مراتب علی تائب۔ نظم

تیسرا اجلاس: شعبۂ انگریزی زیرِ صدارت پروفیسر ولفرڈ کانتویل اسمتھ 7 بجے شام سے 9 بجے تک۔

تلاوت قرآن مجید

1۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے، پی ایچ ڈی، (لندن)۔ شبلی بحیثیت مورخ

2۔ ڈاکٹر تصدق حسین خالد ایم اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لا۔ شبلی بحیثیت شاعر

3۔ مولانا محمد علی، ایم اے (کنٹب)۔ شبلی کی زندگی میں انقلاب

داخلہ بذریعۂ ٹکٹ کرسی ایک روپیہ، بنچ 4 آنے، داخلہ کے ٹکٹ مندرجہ ذیل مقامات سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ (1) کالج بک اسٹال کچہری روڈ، لاہور (2) قومی کتب خانہ نزد اسلامیہ کالج لاہور، (3) مولانا باری، روزنامہ احسان لاہور (4) میاں عبدالحکیم صاحب ہیڈ ماسٹر شیرانوالہ ہائی سکول لاہور، (5) نواب زادہ رشید علی خاں، کوئنز روڈ لاہور، (6) مینارڈ ہال کا گیٹ۔ ہال میں خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوگا۔

(سکریٹری مجلس یادگار مشاہیرِ اسلام، لاہور)

(انقلاب، لاہور ۱۱ر فروری 1945)

یہ پروگرام گیارہ فروری 1945 کے انقلاب میں چھپا ہے۔ اس وقت اخبارات میں ایک روز بعد کی تاریخ درج ہوا کرتی تھی، اس لحاظ سے یہ پروگرام 10 فروری یعنی افتتاح کے دن اخبار میں شائع ہوا۔ 12 فروری یعنی 11 فروری کو 10 فروری سمینار کے پہلے دن کی روداد اس طرح شائع ہوئی ہے:

مینارڈ ہال (اورینٹل کالج) میں یومِ شبلی
اردو اور انگریزی کے اہم مقالات

لاہور: 12 فروری مجلس یادگار مشاہیرِ اسلام کے زیرِ اہتمام کل مینارڈ ہال میں یومِ شبلی منایا گیا، پہلی نشست کی صدارت کے فرائض ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے سرانجام دیے۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بعد صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***